ڈاکٹر اسرار احمد کا تصور اقامت دین: تجزیاتی مطالعہ

Dr. Israr Ahmed's Concept of "Iqāāmat ē Dēēn": Analytical Study

Dr. Sumera Rabia
Assistant Professor, Institute of Arabic and Islamic Studies, Government College Women University, Sialkot:
sumera.rabia@gcwus.edu.pk

Wajeeh Ahmed Zakai
Research Scholar, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Karachi:
wajeeh1983@gmail.com

Aezaz Ul Haq
Research Scholar, Department of Islamic Learning, University of Karachi:
aezazulhaq@gmail.com

Abstract
The name of Dr. Israr Ahmad is very important among the people who were active for the establishment of religion in the subcontinent. He is among those who made continuous efforts for the revival of Islam in the last century. He declared it as their life goal and spent their lives in this struggle. The fact is that while he fulfilled the duty of popularizing the Quranic thought, he also performed valuable services regarding the domination and establishment of religious teachings and rulings. Keeping this goal in mind, he formed a caravan in the form of an Islamic organization, which under his headship worked to achieve this goal. This article deals with the Dr. Israr Ahmad's concept of "Iqāāmat ē Dēēn". It will analyse the meanings, importance and audience of this obligation of "Iqāāmat ē Dēēn". According to Dr. Israr Ahmad it is obligatory for all the Muslims to make honest efforts for the establishment of religious teachings not only on individual level but on state level too. It is the duty of all the Prophets and the survival of Pakistan is associated with it.

Keywords: Religion, Islam, Iqāāmat ē Dēēn, Quranic thought, subcontinent.

گزشتہ صدی میں احیاء اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں میں برصغیر میں اقامت دین کے لیے جو لوگ سرگرم رہے، اسے اپنا مقصد حیات قرار دیا اور اسی جدوجہد میں زندگی گزار دی ان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا نام بہت اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں آپ نے قرآنی فکر کو عام کرنے کا فریضہ سر انجام دیا وہیں آپ نے غلبہ و

اقامت دین کے حوالے سے بھی گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔اس مقصد کو سامنے رکھ کر تنظیم اسلامی کی صورت میں ایک قافلہ تشکیل دیا جو آپ کی سربراہی میں اس مقصد کے حصول کی خاطر سرگرم عمل رہا۔

آپ کے نزدیک "اقامت دین" کی اصطلاح ایک وسیع مفہوم کی حامل ہے۔جہاں تک لفظ دین کے مفہوم کا تعلق ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک ہیں کہ اس کا اصل مفہوم "جزاو سزا اور بدلہ" ہے۔لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ اس لفظ "دین" کے بنیادی تصور کے تمام مقتضیات، مضمرات اور لوازم کے اجتماع سے قرآن حکیم کی مخصوص اصطلاح "الدین" بنی ہے۔جس کا از روئے قرآن مجید مفہوم یہ ہے کہ دین کے معنی ہیں ایک پورا نظام زندگی، مکمل ضابطہ حیات اور اکمل واتم دستور و آئین اطاعت۔جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اس کی سزا کے خوف اور اس کے انعام کے ذوق و شوق سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔[1] اسی طرح لفظ اقامت سے آپ مراد قائم کرنا بھی لیتے ہیں اور قائم رکھنا بھی۔[2]

جہاں تک "اقامت دین" کے مفہوم کا تعلق ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد اقامت دین سے مراد دین کو قائم رکھنا بھی لیتے ہیں اور دین اگر اپنی اصلی حالت میں قائم نہیں ہے تو اس کو قائم کرنا بھی۔آپ اقامت دین کے ان دونوں مفاہیم میں کوئی فرق نہیں سمجھتے کیوں کہ آپ کے نزدیک یہ دونوں مفہوم ایک ہی شے کے دو پہلو ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

> "اقیموالدین "کا ترجمہ "قائم کرنا" بھی کیا گیا ہے اور "قائم رکھنا" بھی۔نتیجے کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اگر دین پہلے سے قائم اور غالب ہے تو اس کو اس کی حالت پر برقرار رکھنا اقامت دین ہے۔لیکن اگر دین بالفعل قائم نہیں ہے تو اسے دنیا میں قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد کرنا اقامت دین کا تقاضا ہے۔[3]

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب "توحید عملی" میں فرماتے ہیں:

---

[1] اسرار احمد،ڈاکٹر(م 2010ء)، ہماری دینی و ملی ذمہ داریاں اور قرب الٰہی کے دو مراتب،مرکزی انجمن خدام القرآن ،لاہور،1997ء،ص65،

[2] اسرار احمد،ڈاکٹر(م2010ء)،مطالبات دین، تنظیم اسلامی،لاہور،ت۔ن،ص:76

[3] ایضا

"اقیمو االدین ": دین کو قائم کرو یا دین کو قائم رکھو۔ یہ دونوں ترجمے ہوں گے یعنی دین قائم ہو تو اسے قائم رکھو! قائم نہ ہو تو اسے قائم کرو!۔[4]

اب جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ اقامت دین سے مراد آپ کے نزدیک دین کو قائم رکھنا بھی ہے اور قائم کرنا بھی تو اب دیکھنا یہ ہے کہ دین کے قائم کرنے یا قائم رکھنے سے آپ کیا مراد لیتے ہیں۔ دین کے قائم رکھنے سے آپ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دین کو اس کی اصلی حالت پر برقرار رکھا جائے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی، کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔ اس میں کوئی ترمیم واضافہ نہ ہو۔ آپ کے نزدیک دین ہمیں بطور امانت دیا گیا ہے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس امانت میں خیانت نہ کریں اور اسے اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھیں یا دوسرے الفاظ میں قائم رکھیں۔ آپ کے نزدیک دین کو عملی طور پر محفوظ بنایا جانا چاہیے اور اس سے مراد یہ ہے کہ تمام معاملات زندگی اسی دین اللہ کے مطابق سرانجام دیئے جانے چاہیں۔ آپ اپنی کتاب "مطالبات دینی" میں رقم طراز ہیں:

> اسے صرف کتابوں میں محفوظ کر لینا یا صرف آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھنا تو مقصود نہیں ہے۔ اس کو محض اپنے نسلی عقیدے کے طور پر مقدس یادگار بنا کر تو نہیں رکھنا ہے۔ بلکہ اگر یہ دین زندگی کے معاملات سے متعلق ہے تو اس کی حفاظت بھی اس کو قائم کرنے کے لیے مقصود ہے تاکہ تمام معاملات اللہ کی مرضی کے مطابق طے پائیں۔[5]

لفظ دین سے مراد آپ صرف بنیادی تعلیمات نہیں لیتے بلکہ آپ کے نزدیک اس میں تمام انفرادی واجتماعی احکامات شامل ہیں۔ آپ کے نزدیک دین ایک مکمل نظام ہے جو معاشرے کے تمام شعبوں اور گوشوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔[6] آپ دین کے قیام سے مراد صرف ذاتی وانفرادی سطح کی حد تک اس کا نفاذ اور قیام مراد نہیں لیتے بلکہ اس کے دائرہ کار کو اجتماعی، معاشرتی اور حکومتی سطح تک بھی لے جاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک دین تب قائم نہیں ہو جائے گا جب ہم ان احکامات پر عمل پیرا ہو جائیں جو ایک فرد سے انفرادی حیثیت میں مطلوب ہیں بلکہ ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہو گا جو دین بحیثیت مجموعی اجتماعی طور پر ہم پر عائد کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی کامل حاکمیت کا قیام ہی دراصل دین کا قیام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار اس بات کو لازم کرتا ہے کہ معاشرہ

---

[4]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، توحید عملی، انجمن خدام القرآن، لاہور، 2012، ص80

[5]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، مطالبات دین، 76

[6]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، خواتین کے دینی فرائض، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، 2005ء، ص10

میں ہر سطح پر اللہ کا ہی قانون جاری و ساری ہو جائے۔ پارلیمنٹ میں بھی اسی کا حکم چلے اور سپریم کورٹ میں بھی اسی کے مطابق فیصلے ہو رہے ہوں۔ غرضیکہ پورا نظام اسی کے تابع ہو جائے۔[7] اسی بات کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں:

> اگر کسی معاشرے کا پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تحت آجائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہاں اللہ کا دین بالفعل قائم ہو گیا اور توحید بالفعل اس معاشرے میں نافذ ہو گئی۔ یعنی اللہ کی مرضی اور اس کے قانون کے مطابق باقاعدہ ایک حکومت قائم ہو جانے کا نام "اقامت دین" ہے۔[8]

آپ کے نزدیک دین کا قائم کرنا اور رکھنا صرف اسی بات سے نہیں جڑا ہوا کہ جس علاقے میں آپ رہائش پذیر ہیں جس ماحول میں آپ جی رہے ہیں وہاں دین بطور نظام کے نافذ و قائم ہو جائے بلکہ آپ عالمی سطح پر اس کے قیام کے خواہشمند ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> ماحول پر بندگی رب قائم ہو گئی تو دین قائم ہو گیا۔۔ گھر پر دین قائم کرو اپنے محلے اور بستی میں دین قائم کرو۔ اپنے شہر اور ملک میں دین قائم کرو پھر دین کی آفاقی دعوت کے علمبردار بن کر پورے کرہ ارض پر اللہ کے دین کے قیام و نفاذ کے لیے جدوجہد کرو۔[9]

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اقامت دین سے مراد دین کو قائم رکھنا اور قائم کرنا ہے۔ آپ نہ صرف انفرادی سطح پر دین کو قائم کرنے کے قائل تھے بلکہ اس کو بطور نظام بھی رائج کرنا چاہتے تھے اور اقامت دین کی آخری منزل آپ کے نزدیک یہ تھی کہ پورے روئے زمین پر اسلامی نظام قائم ہو جائے۔ آپ کے نزدیک اقامت دین سے مراد صرف بنیادی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا نہ تھا بلکہ آپ اس کی تمام تعلیمات کا نفاذ چاہتے تھے۔ پھر چاہے وہ سیاسی تعلیمات ہوں یا معاشرتی، معاشی ہو یا خانگی۔ آپ کے خیال میں اسلام کا ایک نظام ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اسے بطور نظام نافذ کیا جائے۔

اقامت دین کی فرضیت:

---

[7]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، خواتین کے دینی فرائض، ص10

[8]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج:6، ص310

[9]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، ہماری دینی اور ملی ذمہ داریاں اور قرب الٰہی کے دو مراتب، ص64

جہاں تک ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک "اقامت دین" کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو آپ اسے دیگر فرائض دینی کی طرح ایک فریضہ قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ایک کلمہ گو مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس معاشرہ میں بھی رہ رہا ہو اقامت دین کی جدوجہد میں اپنے آپ کو ہمہ تن مشغول کر دے۔ یہ اس کا فرض ہے اور اس پر لازم ہے کہ اگر اس کے معاشرہ میں دین قائم ہے تو وہ اسے برقرار رکھنے کی کوشش کرے اور اگر وہ معاشرہ کفر و شرک کا شکار ہے یا وہ نظریاتی طور پر مسلمان معاشرہ ہونے کے باوجود عملی طور پر دین کے قیام میں تاحال ناکام ہے تو پھر یہ اس پر فرض ہے کہ وہ وہاں رہتے ہوئے احتجاج کی کیفیت میں زندگی بسر کرے۔ ایسی صورت حال کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کرے بلکہ ہر وقت اس باطل نظام کو بدلنے اور اللہ کا دین غالب کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ اور اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کم سے کم اور ناگزیر حد تک پوری کرنے کے بعد اپنے تمام تر صلاحیتیں، وقت اور وسائل اس باطل نظام کو اکھاڑنے میں اور اللہ کے دین کو قائم کرنے میں صرف کر دے۔[10]

ڈاکٹر اسرار احمد دینی فرائض کو ایک عمارت سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ تین فرائض ہیں جو ہم پر دین کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> دینی فرائض کی عمارت کا خاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ارکان اسلام یعنی کلمہ شہادت، نماز، زکوۃ، حج اور روزہ پر اسلام، اطاعت اور عبادت رب سے اس کی پہلی منزل استوار ہوتی ہے۔ تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس اس کی دوسری منزل ہے۔ جبکہ تکبیر رب، اقامت دین، کل کا کل دین اللہ ہی کے لیے ہو اور اظہار دین الحق یعنی اس دین حق کو غالب و قائم کر دیا جائے یہ تیسری منزل ہے۔[11]

چونکہ آپ کے نزدیک اقامت دین دیگر فرائض دینی کی طرح ہی کا ایک فرض ہے بلکہ دینی فرائض کی عمارت کی بلند ترین منزل ہے اس لیے آپ اس فریضہ سے کوتاہی یا اس کے ترک کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ کہ جس طرح باقی فرائض سے غفلت برداشت نہیں کی جاتی اسی طرح اگر کوئی اس فریضہ کو غیر اہم سمجھتے ہوئے اس کو ترک کرے گا یا اس میں سستی و کاہلی کا شکار ہو گا تو وہ پھر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اپنی کتاب "توحید عملی" میں یہی نقطہ بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

---

[10]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، 2012ء، ج6، ص273

[11]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، دینی فرائض کا جامع تصور، تنظیم اسلامی، لاہور، ت۔ن، ص20

فرائض کو ترک کر دینا کبائر میں شمار ہو جائے گا۔ نماز چھوڑی تو یہ کبیرہ گناہ ہے۔ بغیر شرعی عذر کے روزہ نہیں رکھا یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اگر آپ صاحب نصاب ہیں اور زکوۃ نہیں دے رہے اور صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی حج کرنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔۔۔ اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے۔ بالخصوص جن پر اس جدوجہد کا فرض ہونا واضح ہو جائے ان کا اس کو ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔[12]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق فرائض دینی جو تین درجات یا تین منازل میں منقسم ہیں ان میں سے تیسری منزل جو فریضہ اقامت دین ہے اس کی ادائیگی کے ساتھ ہی باقی فرائض کی ادائیگی منسلک ہے۔ کیونکہ ان سب کا مقصود درحقیقت "فریضہ اقامت دین" کی ادائیگی ہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اگر پیش نظر اقامت دین نہیں ہو تو ہو سکتا ہے کہ پہلی منزل پر تزکیہ نفس خانقاہی نظام بن کر رہ جائے اور بس تزکیہ اور تربیت کا یہی عمل نسل در نسل چلتا رہے۔ اسی طرح اگر دعوت و تبلیغ کا ہدف بھی اقامت دین نہیں ہے تو پھر یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے کھاتے میں شمار نہیں ہو گی۔ لہذا آغاز ہی سے ہدف اقامت دین اور غلبہ دین ہونا چاہیے۔ ابتداء ہی سے یہ ہدف سامنے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ساری جدوجہد منزل بہ منزل اسی کے لیے ہو رہی ہے۔[13]

چونکہ آپ فرائض دینی کو ایک عمارت سے تشبیہہ دیتے ہیں لہذا آپ کے خیال میں اگر فرائض دینی کی تیسری اور بلند ترین منزل کا حصول عمل میں نہ لایا جائے تو پھر یہ اس کے مترادف ہے کہ ایک عمارت بغیر چھت کے کھڑی ہوئی ہو۔ ایک عمارت جس کی کوئی چھت نہ ہو اس کا خاکہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چھت کے بغیر کوئی عمارت عمارت ہوتی نہیں محض ایک نشانی رہ جاتی ہے جو ستونوں کی شکل میں موجود ہوتی ہے۔[14]

ڈاکٹر اسرار احمد فریضہ اقامت دین کو امت کا فرض منصبی خیال کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق نبی کریمؐ کی بعثت چونکہ صرف اسی دور تک محدود نہ تھی جس میں آپ کو مبعوث کیا گیا بلکہ آپؐ کی بعثت تا قیام قیامت پوری نوع انسانی کے

---

[12]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، توحید عملی، 197

[13]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م 2010ء)، جہاد فی سبیل اللہ، اصل حقیقت، اہمیت، لزوم اور مراحل، مدارج، شعبہ دعوت تنظیم اسلامی، لاہور، 2004ء ص65

[14]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، دینی فرائض کا جامع تصور، ص20

لیے تھی اور اقامت دین آپؐ کے فرائض منصبی میں سے ایک تھا تو اب آپؐ کے وفات پا جانے کے بعد اس ذمہ داری کی اہل آپؐ کی امت ہے۔۔[15] اپنی کتاب "نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت" میں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

> اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ختم نبوت و رسالت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو کام آنحضور ﷺ سے قبل انبیاء و رسل کرتے رہے آپؐ کے بعد اب وہ سب کے سب آپؐ کی امت کے ذمے ہیں۔ گویا خواہ دعوت و تبلیغ ،انذار و تبشیر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ پر مشتمل فریضہ شہادت حق ہو جو بعثت انبیاء و رسل کی غرض اصلی اور غایت اساسی ہے خواہ اعلاء کلمتہ اللہ ،اقامت دین اور اظہار دین حق علی کلہ۔[16]

ڈاکٹر اسرار احمد اقامت دین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو اس لیے بھی فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک فریضہ جہاد اور فریضہ اقامت دین ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔[17] لہٰذا آپ کے نزدیک جہاد کا مقصود دین کو قائم اور غالب کرنا ہی ہے۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ طاغوتی نظام کو ہٹا کر اللہ کا دیا ہوا نظام وہاں نافذ کر دیا جائے۔ آپ اپنی کتاب "جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ" میں یہی بات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جہاد کی تیسری منزل سب سے کٹھن، سب سے بھاری اور سب سے مشکل ہے۔ اور یہ ہے دین کو غالب کرنے، قائم کرنے اور نافذ کرنے کے لیے اعلائے کلمۃ اللہ ،اس مقصد کے لیے کہ دین کا تجزیہ اور اس کے حصے بخرے کیے بغیر وہ کل کا کل اللہ کے لیے ہو جائے جہاد کرنا۔۔ یہ ہے جہاد کی بلند ترین چوٹی اور سب سے کٹھن اور مشکل مرحلہ۔[18]

المختصر ڈاکٹر اسرار احمد اقامت دین کی جدوجہد کی مسلمانوں پر فرضیت کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اس امر میں صرف کر دیں کہ دین کو اپنے آپ پر، اپنے اہل خانہ پر ،اپنے معاشرے پر قائم کریں گے۔ دینی فرائض کا تصور ایک عمارت کی مانند ہے جس کی چھت فریضہ اقامت دین ہے۔ اور اس فریضہ کی ادائیگی کے بغیر دینی فرائض کا تصور مکمل نہیں ہو سکتا۔ آپ کے نزدیک یہ جہاد ہی کے

---

[15]: ڈاکٹر اسرار احمد، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 1989ء ص 48

[16]: ایضا، ص 48

[17]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م 2010ء)، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، تنظیم اسلامی، لاہور، 2009ء ص 30

[18]: ایضا، ص 31

مترادف ہے اور جہاد کی بلند ترین منزل اقامت دین ہی ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی آپ کے خیال میں فریضہ اقامت دین کی ادائیگی ہی تھا۔ اب جبکہ آپ وفات پا چکے ہیں اور نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تو اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے مقصد بعثت کی تکمیل کریں اور پورے خطہ ارضی کو اسلامی نظام عدل کے تابع کر دیں۔

فریضہ اقامت دین کے مخاطبین:

جہاں تک اس فریضہ کے مخاطبین کا تعلق ہے یعنی کن لوگوں پر اس کے لیے جدوجہد کرنا فرض ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک ہر انسان جو توحید کو قبول کر کے اس پر ایمان لے آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اس پر یہ لازم و فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اقامت دین کے لیے جدوجہد کرے۔[19] لیکن ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اس فریضہ کے اصل مخاطبین مسلمان مرد ہیں۔ آپ کے خیال میں اقامت دین کی جدوجہد اس طرح مطلقاً مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر فرض نہیں ہے جس طرح مسلمان مردوں پر ہے۔ البتہ اس فریضہ اقامت دین کی ادائیگی سے آپ کلی طور پر خواتین کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے فریضہ اقامت دین اور اعلائے کلمتہ اللہ کی جدوجہد مردوں پر فرض کی ہے اور عورتوں پر یہ ذمہ داری براہ راست عائد نہیں کی۔ البتہ خواتین سے مطلوب ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اپنے مردوں کی معین و مددگار ہوں۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور مردوں پر اس کا زیادہ بوجھ نہ پڑنے دیں۔ وہ مردوں کے لئے اس راہ میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنا ممکن بنائیں۔ ان پر اپنی فرمائشوں کا بوجھ اس طرح نہ لادیں کہ وہ انہی مسائل میں الجھ کر رہ جائیں اور دین کی سربلندی کے لئے جہد و کوشش نہ کر سکیں۔ خواتین اگر ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے شوہروں سے تعاون کریں تو یہ ان کی طرف سے اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت کا بدل بن جائے گا اور ان کے لئے اجر کثیر اور ثواب عظیم کا باعث ہو گا۔[20]

اب چونکہ آپ خواتین کو مطلقاً اس ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتے تو فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف یہ ہے کہ چونکہ اقامت دین کی جدوجہد تین منازل پر مشتمل ہے اس میں سے پہلی سطح ہے کہ اپنے اوپر دین کو قائم کرنا۔ اس سلسلے

---

[19]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج6، ص273

[20]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، خواتین کے دینی فرائض، ص32

میں مرد اور عورت کے فرائض یا طریقہ کار میں کوئی بنیادی فرق موجود نہیں ہے۔ دونوں کی ذمہ داریاں ایک سی ہیں۔ کسی کو کوئی چھوٹ یا برتری حاصل نہیں۔ لہذا اس سطح پر تو دونوں کے فرائض دینی ایک جیسے ہیں۔[21]

جہاں تک دوسری منزل کا تعلق ہے جو ہے اسلام کو پھیلانا جسے عرف عام میں دعوت و تبلیغ بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق یہاں پہنچ کر ان دونوں کی ذمہ داریوں اور فرائض میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ مردوں کے برعکس خواتین کے لئے دعوت و تبلیغ و نصیحت کا اولین دائرہ اس کا اپنا گھر ہے۔ ان کے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت ان کی اصلاح یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر خواتین کا حلقہ اور اس سے مزید آگے محرم مردوں کا حلقہ آئے گا۔ بس ان تین حلقوں میں خواتین کو دعوت و تبلیغ کے فرائض سر انجام دینے ہیں۔[22] خواتین کی تو سب سے بڑی ذمہ داری ان کی اپنی اولاد کی تربیت ہے۔ اور ان کی سب سے کڑی مسئولیت اولاد ہی کے بارے میں ہو گی۔ لہذا اس اہم ذمہ داری کی قیمت پر یعنی اس کو نظر انداز کرتے ہوئے یا اس میں کوتاہی کرتے ہوئے کوئی اور کام کرنا قطعا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ ایسے حالات پیدا کر دے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد بھی وقت بچ رہا ہو تو پھر انہیں مزید محنت کرنا چاہیے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ خاص طور پر جوان خواتین جن کے بچے ابھی چھوٹے ہوں اور اولاد کی پیدائش کا سلسلہ ابھی جاری ہو آج کے دور میں ان کی ذمہ داریاں اتنی کٹھن ہیں کہ انہیں پورا کرنے کے بعد بہت کم وقت بچتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو چاہیے کہ جو بھی وقت بچے وہ اسے دعوت دین میں صرف کریں۔ اپنے آرام کی قربانی دیں اور دوسرے قریبی حلقوں میں دعوت کا کام کریں۔ لیکن اس کی خاطر اولاد کو نظر انداز کرنا قطعا جائز نہیں۔[23] لیکن وہ خواتین جن پر اولاد کی تربیت کی ذمہ داری نہیں ان میں سے اگر کسی کے اپنے حلقے میں درس و تدریس کا کام ہو رہا ہو تو انہیں اپنی تمام احتیاطات کے ساتھ ان دینی امور میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ لیکن جہاں تک جوان لڑکیوں کا تعلق ہے آپ کے نزدیک ان کے لئے باہر نکلنا سرے سے جائز نہیں۔[24] اسی بات کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

---

[21]: ایضا، ص13

[22]: ایضا، ص19

[23]: ایضا، ص21

[24]: ایضا، ص23

جہاں تک دوسرے دائرے یعنی گھر سے باہر نکل کر دوسری خواتین میں دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس کے لئے منظم کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے ۔البتہ اس کے لئے ایسی خواتین کو فعال ہونا چاہیے جو ادھیڑ عمر کی ہیں اور ان کے لئے حجاب کے احکامات میں بھی وہ شدت نہیں رہی ہے۔۔۔بنابریں وہ خواتین جن کے پاس اپنے اہل خانہ کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد بھی وقت فارغ ہو تو ستر و حجاب کی پوری پابندی کرتے ہوئے ان سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں۔بشرطیکہ جب باہر نکلیں تو محرم ساتھ ہو۔[25]

جہاں تک اقامت دین کی تیسری اور سب سے بلند منزل یعنی دین کا بحیثیت نظام کے قیام مراد ہو تو وہاں ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق خواتین اس سے بری اور مستثنیٰ ہیں۔ان کے اوپر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس کی جدوجہد میں شریک ہوں۔کیونکہ اس سطح پر جدوجہد صرف نظری اور فکری نہیں رہ جاتی بلکہ مکمل طور پر عملی ہو جاتی ہے اور اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ باطل نظام کے ساتھ مسلح تصادم کا مرحلہ بھی پیش آجائے لہذا صنف نازک کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ ہتھیار سونت کر میدان جنگ میں آجائیں۔اس لیے آپ کے خیال میں خواتین اس سے بری ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

اب آیئے تیسری منزل کی طرف یہ اقامت دین،اسلامی انقلاب، یا تکبیر رب کی منزل ہے۔اس سطح پر ایک ایسی منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے جس کی حیثیت ایک بنیان موصوص کی ہو اور جو باطل نظام کی تبدیلی کے لئے نہ صرف یہ کہ ایک عوامی تحریک برپا کر سکے بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن اور جان گسل مراحل سے گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہو۔لیکن یہ وہ ذمہ داری ہے جس سے انتہائی ناگزیر حالات اور ہنگامی صورت حال کے سوا اللہ نے خواتین کو بری کیا ہے۔[26]

اب جبکہ ہم یہ جان چکے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کے مخاطبین کون ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے متکلف مسلمان کب ہوتے ہیں؟ کیا جیسے مرضی حالات ہوں ان کو اس جدوجہد کو جاری رکھنا ہے یا حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کرنا ہے؟ جہاں تک ڈاکٹر اسرار احمد کا تعلق ہے تو وہ اس بات کے قائل ہیں کہ

---

[25]: ایضا، ص22-23

[26]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، خواتین کے دینی فرائض، ص25

حالات چاہے جیسے بھی ہوں ایک مسلمان کے لیے یہ فرض ہے کہ وہ اقامت دین کے لیے جدوجہد کرے۔اس کو حالات کی ساز گاری کا انتظار نہیں کرنا۔ایک موحد کو عام طور پر دو طرح کے ہی حالات سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔پہلا یہ کہ اس کا تعلق ایک ایسے معاشرے سے ہو جہاں اسلام کے ماننے والے ہوں مگر وہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتا ہو جہاں اکثر کفر کا غلبہ ہو۔تو ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں ہی یہ بات اس پر لازم آتی ہے کہ وہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرے۔[27] آپ لکھتے ہیں:

> ایک توحید پرست شخص اگر ایسے معاشرے میں رہنے پر مجبور ہے جہاں باطل کا غلبہ اور ملک میں مجموعی طور پر کفر کا نظام قائم ہے تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ چنانچہ ایک موحد شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی صورت حال کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کرے۔وہاں رہتے ہوئے وہ احتجاج کی کیفیت میں زندگی بسر کرے، ہر وقت اس باطل نظام کو بدلنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی فکر میں رہے اور عملی طور پر اس کے لیے ہر ممکن جدوجہد کرتا رہے۔[28]

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد اس بات کے قائل ہیں کہ تمام مسلمان مرد و عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ دین کو قائم کریں اور اسے قائم رکھیں۔تاہم آپ کے خیال میں عورتوں پر اس کی فرضیت مطلقاً نہیں ہے۔چونکہ آپ کے نزدیک فریضہ اقامت دین کی تین منازل ہیں تو ان میں سے پہلے دو مراحل مرد و عورت پر یکساں طور پر فرض ہیں لیکن تیسرے مرحلے میں جو دین کو بطور نظام نافذ کرنے کا ہے تو اس میں حصہ لینا ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق عورتوں پر فرض نہیں ہے۔اللہ تعالی نے انھیں اس کا متکلف نہیں بنایا۔ان کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خود دین پر عمل کریں اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کریں اور اگر اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے بعد وقت بچ جائے تو اسے دعوتی سرگرمیوں میں صرف کریں۔

فریضہ اقامت دین کی ضرورت و اہمیت:

1۔اجتماعی سطح پر توحید کا قیام:

---

[27]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج:6، ص273-274

[28]: ایضا

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کی ادائیگی نہایت ضروری ہے اور بہت اہمیت کی حامل ہے۔کیونکہ آپ کے نزدیک ہر انسان ایک متمدن حیوان ہے وہ اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا لہٰذا اس کے لیے معاشرے کا وجود ناگزیر ہے اور اسی لیے اجتماعی نظام تشکیل پاتا ہے۔ اور اسلام کا مقصود یہ ہے کہ اس پورے معاشرے پر توحید کا سکہ رواں ہو جائے یعنی اللہ کے دین کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے قائم اور رائج کر دیا جائے اور اللہ کی کبریائی کا نظام بالفعل قائم ہو جائے۔[29] اور جب تک کسی انسانی اجتماعیت میں موجود تمام نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع نہ ہو جائیں تب تک اجتماعی سطح پر توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر کسی معاشرے میں انفرادی طور پر تمام لوگ توحید پرست ہوں بھی لیکن معاشرے کے اجتماعی نظام پر باطل کا غلبہ ہو تو اس معاشرے کو اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس حالت میں اگر وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند بھی ہوں اور بہت سے دوسرے نیک اعمال کا اہتمام بھی کرتے ہوں تو بھی وہ اللہ کے ہاں سرخرو نہیں ہو سکتے۔[30] آپ لکھتے ہیں:

> لیکن اگر کسی معاشرے یا ملک میں باطل نظام غالب اور اللہ کا دین مغلوب ہو تو ایک مومن یا موحد شخص کے لیے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور بندگی میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں ۔ایسی صورت میں کوئی بھی شخص اللہ کی بندگی پانچ، دس، پندرہ فی صد تک یعنی جزوی طور پر ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک موحد شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس صورتحال کو ذہنی طور پر قبول نہ کرے۔ وہاں رہتے ہوئے وہ احتجاج کی کیفیت میں زندگی بسر کرے، ہر وقت اس باطل نظام کو بدلنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی فکر میں رہے۔[31]

آپ کے نزدیک اقامت دین سے ہی اجتماعی توحید کے نقطہ عروج کا حصول ممکن ہے۔کیونکہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم بڑھے گا تو اس کا اگلا مرحلہ ہو گا پورے ماحول پر اللہ کی توحید کا سکہ رواں کر دینا۔یعنی پورا معاشرہ موحد بن جائے۔ پوری قوم موحد بن جائے، پورا ملک موحد بن جائے، ملک کا نظام موحد بن

---

[29]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، خواتین کے دینی فرائض، ص10

[30]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج:6، ص:305

[31]: ایضا، ج6، ص273

جائے۔ ملک کا دستور توحید کا مظہر بن جائے۔ یہ مرحلہ سر کر لیا تو اس کا نام ہے اقامت دین۔[32] اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> تم سب کا مقصود و مطلوب ایک ہو۔ تم سب کے سامنے یہی ہدف ہو کہ سب سے پہلے تو خود اللہ کا بندہ بننا ہے۔ یہ ہے انفرادی سطح پر توحید عملی۔ یہ توحید ہو گی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ پھر اجتماعی جدوجہد کے آغاز ہو گا دعوت الی اللہ سے اور اس کا منتہا اور مقصود ہو گا کہ پورے نظام اجتماعی پر، ملک پر، پوری قومی زندگی پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنا ہے۔[33]

2۔ اقامت دین مقصد بعثت رسول ﷺ:

ڈاکٹر اسرار احمد فریضہ اقامت دین کی ضرورت و اہمیت کے اس لیے بھی قائل ہیں کہ ان کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی رسالت و بعثت کا مقصد اقامت دین ہے اور اسی راہ میں آپؐ کو جدوجہد اور کوشش کرتے رہنے اور مخالفین کے خلاف ڈٹے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ آنحضور ﷺ پر اتمام شریعت اور تکمیل دین اور ختم و اکمال نبوت و رسالت کا لازمی تقاضا تھا کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ قرار پاتا کہ آپؐ انذار و تبشیر، دعوت تبلیغ، وعظ و نصیحت، تعلیم و تربیت اور تزکیہ و اصلاح کے ذریعے باطل نظام زندگی کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ کر اس کی جگہ دین حق کو بالفعل قائم و نافذ کر دیں اور نظام اطاعت خداوندی کو پورے نظام اطاعت پر عملاً غالب کر دیں۔[34] آپؐ کی بعثت نظام توحید کو عملی طور پر نافذ کر دینے کے لیے تھی اور اسی کا دوسرا نام اقامت دین ہے اور ہم مسلمانوں کے لیے آپؐ کی اتباع اسی میں ہے کہ ہم بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلیں اور اقامت دین کی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> آپؐ کی رسالت کا مقصد اور مشن ہی چونکہ اقامت دین ہے اس لیے آپؐ غلبہ کی جدوجہد کی اس راہ میں پوری استقامت اور تندہی کے ساتھ کھڑے رہے۔۔۔ ہمیں بہت واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کا مشن کیا تھا اور آپؐ کے اتباع کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آج ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے اتباع کے تقاضے میلاد

---

[32]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م 2010ء)، توحید عملی، ص 33

[33]: ایضا، ص 80

[34]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م 2010ء)، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، ص 45

کی محفلیں سجا لینے یا بڑے بڑے جلوس نکال لینے سے پورے نہیں ہوں گے۔اس کے لیے سب غلط کاریاں چھوڑ کر خود کو دین کے احکام کا پابند بنانا ہو گا اور پھر اپنے تن من دھن کے ساتھ عدل اجتماعی (نظام توحید) کو معاشرے میں قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا ہو گا۔[35]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق تکمیل نبوت کے دو مظاہر ہیں۔ تکمیل نبوت کا پہلا مظہر یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو اپنی حیات مبارکہ میں ہی عملی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق تکمیل نبوت کا دوسرا مظہر قرآن پاک کے مطابق یہ ہے کہ اس دین کو کل جنس دین پر غالب کر دیا جائے۔جب اللہ کا یہ دین اس پوری دنیا پر نافذ و غالب ہو جائے گا تو ہی حقیقتاً تکمیل نبوت کے مظہر ثانی کی تکمیل ہو پائے گی جو بدقسمتی سے ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ڈاکٹر اسرار اپنے اس نقطہ نگاہ کی وضاحت قرآن پاک میں موجود سورۃ الصفت، سورۃ التوبہ اور سورۃ فتح میں کم و بیش ایک جیسے الفاظ اور موضوع والی مندرجہ ذیل آیت سے کرتے ہیں:

هوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰي وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَه عَلَي الدِّيْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[36]

(وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظامِ زندگی) پر، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔)

لہذا آپ کے نزدیک اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نبی پاکؐ جن پر بعثت کی تکمیل ہوئی اور آپ کو دین کامل عطا کیا گیا تو اس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اسے تمام دیگر ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ آپ اپنی کتاب "ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے" میں لکھتے ہیں:

محمد ﷺ پر رسالت کی تکمیل اس درجے میں یوں ہوئی کہ جو دین حق آپؐ پر کامل ہو گیا اسے آپؐ نے عملاً قائم کر کے اور نافذ کر کے دکھایا۔یہ ہے درحقیقت تکمیل رسالت کا مظہر

---

[35]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج:6، ص316

[36]: التوبہ 33:9

اول۔[37] تکمیل رسالت کا مظہر ثانی جو تا حال تشنہ تکمیل ہے کہ اللہ نے بھیجا حضرت محمد ﷺ کو غلبہ دین کے لیے۔ تا کہ دین حق کو غالب کر دین تمام ادیان پر۔ اور بھیجا پوری نوع انسانی کے لیے۔ ان دونوں باتوں کو جوڑیے، صغریٰ کبریٰ ملا دیجیے تو بعثت محمدیؐ کا مقصد یعنی تکمیل رسالت کا آخری مرحلہ وہ ہو گا کہ جب کل نوع انسانی پر اللہ کا دین غالب آ جائے۔[38]

3۔ دین کا بنیادی تقاضا:

ڈاکٹر اسرار احمد فریضہ اقامت دین کی ضرورت و اہمیت کے اس لیے بھی قائل ہیں کہ آپ کے مطابق اقامت دین دراصل تقاضا دین ہے۔ کیونکہ دین دراصل تب ہی دین کہلائے گا جب وہ غالب و نافذ ہو۔ اگر وہ مغلوب ہے تو اس وقت وہ دین نہیں مذہب ہے۔ آپ کے خیال میں "دین" اس نظام زندگی کو کہتے ہیں جس میں انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کلی زندگی ایک مطاع کی اطاعت کے تابع ہو۔ اس لیے کہ نظام تو وہی ہے جو بالفعل قائم ہو اور واقعتا اس کے اختیارات کا سکہ چل رہا ہو۔[39] آپ اپنی کتاب "توحید عملی" میں لکھتے ہیں:

> اللہ کا دین اسی وقت قائم و نافذ سمجھا جائے گا جب امر واقعہ میں وہ نظام قائم ہو جس میں بالفعل اللہ ہی کو حاکم مطلق مانا گیا ہو اور مطاع مطلق فی الحقیقت اللہ ہی کو تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی کے احکام کے آگے سب کے سر جھکے ہوئے ہوں اور عملاً صورت حال یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ سب سے اونچا ہو جائے۔ اللہ کی بات، اس کا فرمان بالاترین ہو جائے اور یہ ہو پورے نظام زندگی پر۔ ۔۔ جزوی نہیں، کل کا کل نظام اللہ تبارک و تعالی کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہو۔[40]

4۔ اتمام حق کا ذریعہ

---

[37]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 2012ء، ص27

[38]: ایضا، ص:37

[39]: ایضا، ص90

[40]: ایضا، ص91

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اتمام نور اور غلبہ دین حق کے جو دو وعدے قرآن پاک میں مسلمانوں سے کیے ہیں ان کی تکمیل کا ذریعہ کچھ اور نہیں صرف اسی فریضہ کی ادائیگی ہے۔ اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔[41]

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔ (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمام نور کے لئے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے (کہ یہ اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔)

ڈاکٹر اسرار احمد اتمام نور اور غلبہ دین حق کو گاڑی کے دو پہیے قرار دیتے ہیں جن کا ایک ساتھ چلنا ضروری ہے تاکہ دین اسلام کی گاڑی آگے بڑھتی رہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق گاڑی کے یہ پہیے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اسلام کی گاڑی آگے بڑھتی رہی لیکن جیسے ہی ان دونوں میں فرق کر دیا گیا تو اب اسلام ہمیں کہیں بھی بطور نظام زندگی مکمل طور پر رائج نظر نہیں آتا۔[42] اسلام کا پوری دنیا پر غلبہ ہو جائے اور وہ ایک نظام کی حیثیت سے قائم ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے تبھی ممکن ہے جب مسلمان اس فریضہ اقامت دین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کے لیے جی جان کی بازی لگا دیں۔ آپ اپنی کتاب "قرآن حکیم کی قوت تسخیر" میں رقم طراز ہیں:

> اب یہ بات نوٹ کیجیے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تو نور ہدایت بھی مکمل ہو گیا اور دین حق کا غلبہ و اظہار بھی سرزمین عرب کی حد تک مکمل ہو گیا گویا گاڑی کے یہ دونوں پہیے مساوی انداز میں ساتھ ساتھ چلتے اور آگے بڑھتے رہے لیکن حضور اکرم ﷺ کے دور کے بعد ان دونوں چیزوں کے درمیان ایک فرق واقع ہو گیا۔۔۔ اب صورت یہ ہے کہ اسلام

---

[41]: الصف 61:8-9

[42]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، قرآن حکیم کی قوت تسخیر، تنظیم اسلامی، لاہور، 2013ء، ص7

محض ایک مذہب کے طور پر تو باقی ہے لیکن دین حق اور نظام اسلام اپنی صحیح صورت میں زمین کے کسی ایک خطے میں بھی قائم و نافذ نہیں اور غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد ہمیں از سر نو کرنی ہو گی۔[43]

5۔ پاکستان کا استحکام اور بقا:

ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کا استحکام اور بقا اسلامی نظام کے قیام یعنی اقامت دین سے منسلک کرتے ہیں۔ آپ کے خیال میں پاکستان چونکہ اللہ کے دین کے نام پر قائم کیا گیا لہذا اب اس کی بقا اسی میں ہے کہ یہاں پر اسلامی نظام کا اجراء کر کے اللہ سے اپنا وعدہ پورا کیا جائے جو ہم نے اس کے قیام سے قبل کیا تھا۔[44] اگر ہم اللہ سے کیا اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے تو پھر ہمارا حال بھی دوسرے وعدہ خلافوں جیسا ہی ہو گا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ اس کی وعدہ خلافی کی وجہ سے ہوا۔ اور ہمارا طرز عمل بھی نہ صرف بنی اسرائیل سے مشابہ ہے بلکہ بعض حالات میں ان سے بھی مایوس کن ہے۔[45] لہذا نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ فریضہ اقامت دین کو ادا کیا جائے اور اسلامی نظام کو قائم کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

میں نے اپنا تجزیہ کئی مواقع پر آپ کے سامنے رکھا ہے کہ پاکستان کے استحکام اور اس کی بقا کا اگر کوئی راستہ ہے تو یہی ہے کہ یہاں صحیح اور مکمل اسلامی نظام قائم ہو جائے۔[46]

فریضہ اقامت دین کی حکمت عملی اور طریقہ کار:

فریضہ اقامت دین کی انجام دہی کے لیے مسلمانوں کو کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے اس بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جو کہ کوئی بھی اٹھ کر انفرادی طور پر کرنے لگ جائے۔ یہ اکیلے انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اقامت دین کے تین مراحل ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسلام کو اپنی اوپر نافذ کیا جائے یعنی اس پر عمل کیا جائے اور دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ دوسروں تک اسلام کو پہنچایا

---

[43]: ایضا، ص9-10

[44]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ،لاہور، 2006ء، ص16

[45]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، استحکام پاکستان، تنظیم اسلامی، لاہور، ت۔ن، ص25

[46]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، قرآن حکیم کی قوت تسخیر، ص20

جائے اور تیسرا مرحلہ اس کے ایک نظام کی حیثیت سے نفاذ کا ہے اور پہلا اور دوسرا مرحلہ تو انسان اکیلے بھی سر انجام دے سکتا ہے مگر جہاں تک اقامت دین کے سب سے آخری اور سب سے مشکل مرحلے یعنی اس کے بطور نظام نفاذ کا سوال ہے تو وہ کوئی بھی شخص اکیلے تن تنہا سر انجام نہیں دے سکتا لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک جماعت کو تشکیل دے اور اس جماعت میں شمولیت اختیار کرنے والوں کی تربیت و تنظیم کرے تاکہ وہ سب مل کر اس مقصد کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ آپ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں:

> یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عملی طور پر اس جدوجہد کی ترتیب و تدریج کیا ہو گی۔ ظاہر ہے کہ کام کسی اکیلے آدمی کے بس کا تو ہے نہیں، اکیلا چنا تو بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ باطل کو اکھاڑ پھینکنا بہر حال کوئی آسان کام نہیں۔ اس کام کے لیے طاقت ناگزیر ہو گی اور طاقت حاصل کرنے کے لیے جمعیت درکار ہو گی۔ جبکہ جمعیت کی تشکیل کے لیے دعوت الی اللہ کو عام کرنے کی ضرورت ہو گی۔[47]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق جو لوگ بحیثیت جماعت مل کر اس مقصد عظیم کے لیے جدوجہد کریں ان کو چاہیے کہ وہ جلد بازی کا شکار نہ ہوں۔ جیسے بھی حالات ہوں ان میں ناامید و حواس باختہ ہونے کی بجائے عقل و حواس قائم رکھیں اور صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ کیونکہ جب مومنین اللہ کی راہ میں اس کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے جدوجہد و کوشش کرتے رہتے ہیں اور صبر و استقامت کو اپنا ہتھیار بنائے رکھتے ہیں تو پھر اللہ تعالی کی نصرت و رضامندی بھی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے نئے نئے راستے کھول دیتا ہے۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

> ہاں یہ ضرور ہے کہ اس راستے میں طرح طرح کی آزمائشوں اور سختیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب بندہ اس مرحلے میں بھی صبر و استقامت کے مظاہرے سے اپنی وفاداری اور یکسوئی ثابت کر دے تو پھر اللہ تعالی اس کے لیے نئے نئے راستے کھول دیتا ہے اور ان راستوں پر چلنا اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔[48]

---

[47]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، بیان القرآن، ج:6، ص273

[48]: ایضا، ج:6، ص319

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق ضروری ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے لوگ اپنے اندر کچھ اوصاف پیدا کریں۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو انہیں اس قابل بنائیں گے کہ وہ دین پر نہ صرف خود قائم ہوں بلکہ دوسروں تک بھی اسے پہنچا کر انھیں اس پر قائم کریں اور قائم رکھیں اور پھر سب سے آخر میں دین کو بطور نظام پہلے اپنے معاشرے اور پھر پورے کرہ ارض پر قائم کر دیں۔ڈاکٹر اسرار احمد سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر 36 سے 43 تک کی آیات سے وہ اوصاف اخذ کرتے ہیں جو کہ جو اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کی سیرت کے لیے ناگزیر ہیں۔ ثانیا اس جدوجہد میں توکل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر ہو گا۔مادی وسائل، اپنی ذہانت، طاقت اور صلاحیت پر تکیہ نہیں کیا جائے گا۔ ثالثا تقوی، تزکیہ نفس اور اصلاح کردار کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس کے لیے کبائر اور فواحش سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہو گی اور غصہ سمیت تمام باطنی خبائث سے بھی اپنے سینوں کو پاک کرنا ہو گا۔ پھر جو لوگ اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوے اقامت دین کی جدوجہد پر کمربستہ ہو جائیں انہیں اللہ تعالی سے قلبی رشتہ جوڑنے اور یہ رشتہ قائم رکھنے کے لیے نماز کا التزام کرنا ہو گا۔ ان کے تمام فیصلے باہمی مشاورت سے طے ہوں گے اور اس جدوجہد میں ان کو اپنا وقت ، اپنا مال، اپنی صلاحتیں غرض اپنا وہ سب کچھ کھپا دینے کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہو گا جو اللہ نے انھیں دیا ہے۔[49]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق اقامت دین کی جدوجہد جو ہم پر فرض ہے اس کی انجام دہی کے دوران ہمیں ایک بات کا خاص خیال رکھنا ہو گا کہ ہم اس کی کسی منزل کو اپنا نصب العین نہ قرار دے دیں بلکہ حتی الوسع اس کے لیے کوشش کرتے رہیں کیونکہ جب ہم کسی چیز کو نصب العین قرار دے دیتے ہیں تو پھر اس سے بسا اوقات انسان بھٹک بھی سکتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کا کام یہ ہے کہ وہ کوشش کرتا جائے اور نتیجہ خدا پہ چھوڑ دے۔

جہاں تک فریضہ اقامت دین کے طریقہ کار کا تعلق ہے تو اس حوالے سے چونکہ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کے تین مراحل ہیں لہذا ان تینوں مراحل کا طریقہ کار الگ الگ ہے۔ اس میں سے جو سب سے پہلا مرحلہ ہے وہ ہے اپنے آپ، اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ کو دین پر قائم کرنا اور پھر ہمیشہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کرنا ۔ آپ کے خیال میں اس کے لیے صرف نعرے لگا لینا یا جلوس نکال لینا کافی نہ ہو گا بلکہ ہمیں آگے بڑھ کر عملی طور پر اسلام کا نفاذ اپنی ذات پر کرنا ہو گا اور وہ یوں ہو گا کہ ہم اس کی تمام تعلیمات پر عمل کریں۔ اس مرحلے میں ہمارا کیا طریقہ کار ہونا چاہیے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

---

[49]: ایضا، ج:6، 329–330

لہذا جس کا بھی ارادہ ہو جسے بھی اللہ تعالی آپ میں سے قبول فرمالے اسے پہلا فیصلہ یہ کرنا ہو گا کہ مجھے اپنی زندگی سے حرام کو نکال دینا ہے۔ فرائض وواجبات کی پابندی کرنی ہے اور ارکان دین کی بجاآوری تمام شرائط کے ساتھ کرنی ہے۔ پھر یہ کہ اپنے وجود پر اور اپنے گھر پر شریعت کا مکمل نفاذ کرنا ہے۔[50]

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کے دوسرے مرحلے (دوسروں تک دین کو پہنچانا) میں مسلمانوں کا طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہجو لوگ یہ بیعت کر لیں اور وہ اپنے گھر پر، اپنی ذات پر اللہ کا دین حتی المقدور نافذ کر چکے ہوں اب وہ یہ کام کریں کہ یہ دعوت لوگوں تک پہنچائیں۔ زبان سے، کتابوں سے، رسالوں سے، ویڈیوز سے، آڈیوز سے، گفتگوؤں سے اور خطابات عام سے یہ پیغام عام کر دیں، تاکہ لوگ اس جماعت میں شامل ہوں اور ان کی معتدبہ تعداد ہو جائے۔ پھر ان کی تربیت ہو۔ اور جب تعداد اتنی کافی نہ ہو جائے کہ پورے نظام کو چیلنج کیا جا سکے اس وقت تک یہی کام باللسان کرنا ہے۔ زبان سے نیکی کی بات کرنی ہے، زبان سے برائی کو روکنا ہے اور ساتھ ساتھ تربیت کا عمل جاری رکھنا ہے۔[51] ایک جماعت کی شکل میں ایسے افراد کی تنظیم ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر یہ لوگ اگلے مرحلے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ فریضہ اقامت دین کی آخری منزل اسلامی نظام کا نفاذ ہے اور اسکے لیے منظم ومتحد جدوجہد کی ضرورت ہے جو جماعتی تنظیم کے بغیر ممکن نہیں۔[52]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق جب طاقت کافی ہو جائے، منظم بھی ہوں واقعتا اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے بھی تیار ہوں تو یہاں سے اب تیسرے مرحلے یعنی دین کے بطور نظام نفاذ کی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ فریضہ اقامت دین کی انتہائی منزل ہے اور سب سے مشکل بھی کیونکہ جب آپ نظام باطل کے ساتھ تصادم کی حالت میں آجائیں گے تو پھر اب آپ کو ان کی طرف سے بھرپور مزاحمت کا سامنا ہو گا اب ہم چیلنج کریں گے کہ ہم فلاں حرام کام یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ یا ہم نہیں یا یہ نہیں! گھیراؤ کریں گے، پکٹنگ کریں گے، جلوس نکالیں گے، دھرنے ماریں گے، اپنے سینے کھول کر کہیں گے کہ چلاؤ ہم پر گولی[53]

---

[50]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے، ص42

[51]: ایضا، ص45

[52]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، جہاد فی سبیل اللہ، اصل حقیقت، اہمیت لزوم اور مراحل، مدارج، ص53

[53]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)،، ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے، ص45

اقامت دین کے اس مرحلے کو بھی آپ فرداً تین مراحل میں تقسیم کرتے ہیں اور ان تینوں مراحل کا طریقہ کار بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا مرحلہ ہے "صبر محض"۔ اس مرحلے میں آپ نظام باطل کو چیلنج کر دیتے ہیں۔ لہذا ان کی طرف سے رد عمل سامنے آنا شروع ہو جاتا ہے لیکن یہاں آپ کو جواباً کچھ نہیں کرنا ہو گا بس ان کے رد عمل کو برداشت کرنا ہو گا اور اپنی جماعت کو مزید منظم کرتے رہنا ہو گا اور یہ کوشش کرنی ہو گی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہوتے جائیں۔[54] اس کا نتیجہ کیا ہو گا اس کی تفصیل فراہم کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> اس کے بعد یہ جماعت اب انقلابی مرحلے اقامت دین کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گی تو پہلا مرحلہ صبر محض ہو گا اس لیے کہ ماحول مخالفت کرے گا۔ انقلابی جدوجہد میں صبر محض کی حکمت عملی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں ان انقلابی افراد کی طرف منعطف ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کسی انقلابی جدوجہد میں صبر محض کا دور انتہائی مؤثر اور فیصلہ کن ہوتا ہے اور آئندہ کی کامیابیوں کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے۔[55]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق اقامت دین کی جدوجہد کا دوسرا مرحلہ "راست اقدام" ہے۔ جب فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت کی قیادت یہ محسوس کرنے لگے کہ اب ہم مضبوط ہیں ہماری تعداد بھی کافی ہے، کارکنوں کی تربیت بھی صحیح ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا ہے، ان کی نیتیں بالکل خالص ہو چکی ہیں ان کی جدوجہد خالصاً لوجہ اللہ ہے اور ان کی کیفیت یہ بن گئی ہے کہ وہ منظم ہیں سمع وطاعت پر کاربند ہو چکے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو اب اگلا مرحلہ شروع ہو جائے گا یعنی راست اقدام کیا جائے اور آگے بڑھ کر اس نظام باطل کو چھیڑا جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق نظام باطل کو چھیڑنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تجارتی شاہراہ کو جس پر ان کے قافلے آتے جاتے تھے مخدوش بنا دیا اور اس طرح ان کی معاشی ناکہ بندی کی۔ دوسری طرف ان کی سیاسی ناکہ بندی کا انتظام اس طرح فرمایا کہ مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے شروع کر دیے۔[56]

---

[54]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، جہاد فی سبیل اللہ، اصل حقیقت، اہمیت لزوم اور مراحل، مدارج، ص53

[55]: ایضاً، ص54

[56]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، جہاد فی سبیل اللہ، اصل حقیقت، اہمیت لزوم اور مراحل، مدارج، ص55

اقامت دین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا تیسرا اور آخری مرحلہ تصادم ہے۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق جب آپ نظام باطل کے سامنے اٹھ کھڑے ہوں گے تو اس باطل نظام کے کرتا دھرتا کے مفادات پر لازما ضرب پڑے گی اور وہ اس نظام باطل کو بچانے کے لیے میدان میں کود پڑیں گے۔ جس کا نتیجہ تصادم کی صورت میں نکلے گا۔اسی مرحلے کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> جب آپ نے نظام باطل کو چھیڑ لیا اور ان کے مفادات پر جب ضرب پڑی تو وہ اٹھیں گے اور اپنے نظام کا دفاع کریں گے۔ چنانچہ وہ پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر بالفعل تصادم ہو گا۔[57]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق اقامت دین کی جدوجہد میں باطل قوتوں کے ساتھ تصادم ناگزیر ہے۔ایسا ہو کے رہے گا لہذا ضروری ہے کہ جدوجہد کرنے والے اس کے لیے تیار ہوں اور ان باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جائیں۔ کیونکہ جن لوگوں کے مفادات اور جن کی قیادت وسیادت نظام باطل سے وابستہ ہو وہ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کا طاغوتی نظام بیخ وبن سے اکھاڑ کر توحید پر مبنی نظام عدل وقسط قائم کیا جائے۔ وہ تو مزاحمت کریں گے، مخالفت کریں گے اور اپنی پوری طاقت دین اللہ کے قیام ونفاذ کو روکنے کے لیے صرف کر دیں گے۔لہذا اللہ کے فرماں برداروں کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ کے باغیوں سے پنجہ آزمائی کریں ان سے نبرد آزما ہوں اور اللہ تعالی کی تشریعی حکومت کو قائم کرنے کے لیے اپنا تن، من دھن سب قربان کر دیں اور جو لوگ یہ قربانی دیں تو وہ سرخرو ہیں۔[58]

آپ کے خیال میں موجودہ حالات عہد نبویؐ کے حالات سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں۔ آج حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور وہ باطل نظام کی محافظ ہیں۔ حکومت پر فائز ہونے کے ناطے مسلح افواج، ایئر فورس، پولیس اور پیرا ملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں۔ جبکہ عوام نہتے ہیں۔اس لیے یہ مقابلہ اتنا غیر مساوی ہو گیا ہے کہ ان کے ساتھ قتال کا معاملہ قابل عمل نہیں ہے۔[59] موجودہ حالات میں کیا حکمت عملی اختیار کرنی ہو گی اس کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

---

[57]: ایضا، ص58

[58]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، ص37

[59]: محولا بالا، ص58

قتال جہاں قابل عمل ہو گا لازما کیا جائے گا۔ لیکن اگر ادھر قوت اتنی ہے اور ادھر عوام نہتے ہیں تو عوام کو اپنی طاقت کا اظہار عوامی سطح پر منظم مظاہروں کو صورت میں کرنا ہو گا اور حکومت کے خلاف ایک تحریک مزاحمت اٹھانا ہو گی۔ یہ تحریک عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک ہو گی، جو بالاخر غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کر لے گی۔ یہ غیر مسلح بغاوتیک طرفی ہو گی، جس میں حصہ لینے والے خود جان دینے کے لیے تیار ہوں لیکن کسی کی جان کے درپے نہ ہوں۔[60]

نتائج

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک فریضہ اقامت دین کی انجام دہی کی صورت یہ ہو گی کہ:

- ہم پہلے خود پر اسلام نافذ کریں۔
- حلال و حرام میں فرق کرتے ہوئے اور اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق زندگی گزاریں۔ اور ایسا صرف عبادات کی حد تک نہ ہو۔
- ہم تمام معاملات میں اللہ کے دین کو مد نظر رکھیں اور اس کے مطابق چلیں۔
- اس کے بعد ہم دوسروں تک اسلامی نظام کے قیام کی دعوت پہنچائیں۔
- جو لوگ اس کو قبول کر لیں انھیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کریں ان کی مناسب تربیت کریں۔
- جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ باطل نظام کے سامنے سینہ سپر ہو سکیں تو ان کو اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں شریک ہونے کے لیے میدان عمل میں اتار دیں۔
- اب چونکہ حالات بہت بدل چکے لہذا اس تصادم میں ہمیں جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا ہو گا۔ ان نظام باطل پہ جوابی وار کرنے کی بجائے ان کی مار سہنا ہو گی تا کہ خون خرابے سے نہ صرف بچا جا سکے بلکہ عوام کی ہمدردیاں بھی سمیٹی جائیں اور آخر میں کامیابی ان کا مقدر ٹھہرے۔

---

[60]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م2010ء)، جہاد فی سبیل اللہ، اصل حقیقت، اہمیت لزوم اور مراحل، مدارج، ص59